نظم شوریٰ اور اسلامی معاشرہ
ایک جائزہ

☆ محمد یوسف فاروقی

اسلام کے شورائی نظام پر علماء وفقہاء نے بہت کچھ لکھا ہے' اسکی تفصیلات پر بحث کی ہے اور اس کے طریقہ کار کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔(۱)

قرآن کریم کی نصوص اور سنت مطہرہ جو اسلامی قانون کا بنیادی ماخذ ھیں شوریٰ کو امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کیلئے لازمی اور ضروری قرار دیتی ھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین نے شوریٰ کو ھمیشہ اسلامی مملکت کی دستوری ضرورت قرار دیا اور ان معاملات کو جہاں نص موجود نہ تھی شوریٰ کے ذریعہ حل کیا۔

ھم یہاں خلفاء راشدین کے چند شورائی فیصلوں کا ذکر کریں گے اس کا مقصد صرف شوریٰ کی وسعت' دلائل کے انداز اور طریقہ کار پر روشنی ڈالنا ہے اس بحث سے ضمنا اس دور کے اسلامی معاشرہ اور اس کے خدوخال بھی واضح ہوں گے۔ شوریٰ اور معاشرہ کے تقابلی مطالعہ سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ شوریٰ کس قسم کے معاشرہ میں ایک کامیاب ادارے کے طور پر کام کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر کے دور میں پہلے فتنہ ارتداد اور مانعین زکواۃ کے فتنوں نے مملکت کی مسلح قوت کو الجھایا۔ پھر مسیلمہ کذاب کے فتنہ نے مسلم معاشرہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں جس کا نتیجہ مسلح تصادم کی صورت میں ظاھر ہوا۔ حضرت ابوبکر نے ان تمام سازشوں اور حملوں کا نہ صرف یہ کہ پورے عزم واستقامت کے ساتھ مقابلہ کیا بلکہ ھر محاذ پر ان باطل قوتوں کو پسپا بھی کیا۔ ان جنگوں میں مسلمانوں کا بھی جانی نقصان ھوا۔ خصوصا مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں مسلمان مجاھدین کا جانی نقصان اس لحاظ سے بہت زیادہ محسوس کیا گیا

☆ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ' اسلامیہ یونیورسٹی' بہاولپور

کہ یہ محض جذبہ جہاد سے سرشار کچھ لوگوں کی قربانی نہیں تھی بلکہ بہت سے ان جلیل القدر حفاظ قرآن اور علماء کی شہادت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست تربیت یافتہ تھے' جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دین کی عملی صورت کو بچشم خود دیکھا تھا' یہ وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے مقامات وحی کا مشاہدہ کیا تھا اور کتاب اللہ کو اپنے سینوں میں بالکل اسی طرح محفوظ کرلیا تھا جس طرح یہ سینہ رسول میں محفوظ تھا۔ دین کی وہ عظیم امانت انکے پاس تھی جسے آئندہ نسل کو منتقل کرنا انکی دینی ذمہ داری تھی۔ دین کے ان امینوں کی اچھی خاصی تعداد جام شہادت نوش کرچکی تھی۔ اس صورت حال نے حضرت عمر جیسے عظیم مدبر اور مزاج شناس اسلام کو پریشان کردیا تھا' وہ امت مسلمہ کے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھے۔

حضرت عمر نے جن کی حساس انگلیاں ہمیشہ زمانہ کی نبض پر رہتی تھیں اور جنکی چشم بصیرت نے مستقبل میں نمودار ہونے والے واقعات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا ان حفاظ قرآن کی شہادت کو امت مسلمہ کا عظیم نقصان قرار دیا اور اس بات کو محسوس کیا کہ یہ حفاظ تو وہ لوگ تھے جنہیں دین کی امانت آئندہ نسلوں کو منتقل کرنا تھی مگر یہ لوگ وحی الٰہی کی امانت اپنے سینوں میں لیے جام شہادت نوش کر گئے۔ ان ہستیوں کی شہادت نے بہت بڑا خلا پیدا کر دیا تھا۔ اس صورت حال میں حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو مشورہ دیا کہ قرآن کریم کو ایک کتابی شکل میں جمع کر دیا جائے تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو قرآن حکیم اسی شکل وصورت میں منتقل ہو جس میں اس کا نزول ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مکمل قرآن کریم حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا اور تحریری شکل میں بھی موجود تھا۔ جب وحی آپ پر نازل ہوتی تو آپ فورا اسے لکھوا دیتے' کاتبین وحی میں سے جو لوگ بھی موجود ہوتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اسے لکھ لیتے اور جو کچھ لکھتے اسے رسول اللہ کو پڑھ کر بھی سناتے تھے تاکہ اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ اس طرح لوگوں کے پاس قرآن کریم کے اپنے اپنے نسخے تھے لیکن یہ نسخے متفرق اوراق' تختیوں یا خشک جھلی وغیرہ پر لکھے ہوئے تھے' پورا قرآن حکیم ایک کتابی شکل میں یکجا نہ تھا۔

جنگ یمامہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی' مسلمان اس فتح پر خوش تھے' لیکن حضرت عمر خوشی کے ان لمحات میں بھی امت کے مستقبل اور دین کے تحفظ کے بارے میں سوچ رہے تھے' وہ حفاظ کرام کی شہادت کا سنتے ہی حضرت ابوکر کے پاس گئے اور کہا' اے خلیفتہ المسلمین' جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے ہیں اور جنگ کا سلسلہ تو شاید ابھی جاری رہیگا' اگر حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ لہٰذا میری رائے یہ

ہے کہ آپ قرآن کریم کی جمع وتدوین کا حکم دیجیے' حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے عمر! جس کام کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کیسے کروں ؟ حضرت عمر نے اس کے جواب میں ابو بکر سے کہا'

"ھواللہ خیر" اللہ کی قسم (امت مسلمہ کیلئے خیروبھلائی اسی میں ہے (۲)

حضرت عمر نے جب ابو بکر کو قرآن کریم کی جمع وتدوین کا مشورہ دیا تو اس وقت ان کی دلیل براہ راست نص سے نہیں تھی' بلکہ ان کا استدلال یہ تھا کہ آج دین کے تحفظ اور کتاب اللہ کی حفاظت کیلئے جمع وتدوین قرآن ضروری ہے اور دین کے تحفظ میں ہی امت کا تحفظ اور اسکی بقا مضمر ہے' لہٰذا اس کام کو دین کی ضرورت سمجھ کر کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر نے شروع میں اس رائے سے اتفاق نہیں کیا' شاید اس لیے کہ حضرت عمر کی دلیل قرآن و سنت سے نہیں تھی۔ لیکن حضرت عمر اپنی رائے پر زور دیتے رہے اور مستقبل میں اسکی افادیت واضح کرتے رہے۔ بالآخر حضرت ابوبکر نے انکی رائے سے اتفاق کرلیا۔

حضرت عمر کی رائے کا تجزیہ کیا جائے تو چند باتیں نمایاں ہوتی ھیں ایک بات یہ کہ جنگوں کی وجہ سے ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ وحی الٰہی کو ایک کتابی شکل میں محفوظ کرنا آئندہ نسلوں کیلئے بہت ضروری ہو گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ کلام اللہ کو ایک کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا کام وھی نسل بہتر طریقہ پر انجام دے سکتی تھی جس نے براہ راست جناب رسالت مآب سے سنکر اور سمجھ کر اپنے پاس محفوظ کیا تھا۔

حضرت عمر کے اس طریقہ استدلال میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو دین کی مجموعی تعلیمات یا اس کے کسی اصول کے خلاف ہو بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ استدلال دین کی روح سے پوری طرح ھم آھنگ تھا' اس وجہ سے حضرت عمر کو خلیفہ وقت اور دیگر صحابہ کرام کو قائل کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی' مشورہ دینے والے اور جنکو مشورہ دیا گیا تھا دونوں جانب اخلاص اور احساس امانت پوری طرح اجاگر تھا' قوت استدلال اور اخلاص و امانت داری کی وجہ سے جلدی اس مسئلہ پر نہ صرف خلیفۃ المسلمین اور زید بن ثابت کو بلکہ دیگر صحابہ کرام کو بھی شرح صدر ہو گیا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس رائے کی صحت وضرورت اور اھمیت پر پوری امت نے اتفاق کیا۔

شوری کی ایک اور اھم مثال عراق وشام کی زرخیز زمینوں کا مسئلہ ہے' یہ مسئلہ بہت سے اجتماعی' معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کا حامل ہے حضرت عمر کے دور میں جب ارض سواد فتح ہوئی تو یہ مسئلہ پیش آیا کہ مفتوحہ اراضی ان مجاھدین میں تقسیم کر دی جائے جنھوں نے جہاد میں حصہ لیا تھا اور اپنی جان

ومال کی قربانی دیکر اس سرزمین کو فتح کیا تھا یا یہ کہ مجاھدین میں بطور مال غنیمت تقسیم نہ کیا جائے بلکہ قدیم زمین آباد کاروں کے پاس رہنے دی جائے' وھی ان زمینوں کو اباد کریں اور ان پر خراج ادا کریں' ساتھ ھی بحیثیت اھل الذمہ جزیہ بھی ادا کریں۔

عہد نبوی میں رسول اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کا کچھ حصہ مجاھدین میں تقسیم کیا تھا' اور کچھ حصہ اصل باشندوں کے پاس ہی رہنے دیا تھا تاکہ وہ اسے کاشت کرتے رھیں اور زمین کا خراج حکومت کو ادا کرتے رھیں۔ عہد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض زمینیں تقسیم کیں اور بعض نہیں کیں (۳) اس طرح مجاھدین میں تقسیم کی مثال عہد نبوی میں موجود تھی۔

حضرت عمر نے اس مسئلہ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مشورہ کیا' انکی رائے یہ تھی کہ زمین مجاھدین میں تقسیم کر دی جائے۔ اس لیے کہ یہ مال غنیمت ہے اور مال غنیمت ان مجاھدین میں تقسیم ھونا چاہیے جن کے ھاتھوں یہ علاقہ فتح ھوا ہے حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف کی بات غور سے سنی اور فرمایا کہ آپ کی رائے کہ مال غنیمت مجاھدین میں تقسیم ہونا چاہیے بالکل صحیح ہے لیکن میں اس وقت خاص طور پر زمین کے مسئلہ پر مختلف انداز سے سوچ رھا ھوں اور اس کے مختلف پہلوؤں کا ھر زاویہ سے جائزہ لے رھا ھوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید اس قدر زرخیز زمین آئندہ فتح نہ ھو سکے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اسلامی مملکت کی سرحدیں بہت دور دراز تک پھیل چکی ھیں۔ ان تمام سرحدوں کی کیلئے مستقل فوج کی ضرورت رہے گی اور انکی کفالت کی ذمہ داری بھی ھم پر عائد رھیگی لہٰذا ھمیں ان کی مستقل کفالت کا بندوبست کرنا ھوگا۔ نیز ایک اور بات بھی میرے ذھن میں ہے وہ یہ کہ ھمیں آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے بھی کچھ اہتمام کرنا چاھیے۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے جو دائرہ اسلام میں داخل ھو رہے ھیں۔ ان سب کی فلاح وبہبود کیلئے بیت المال میں کوئی مد ہونی چاہیئے حضرت عمرؓ ان مجاھدین کی خدمات مستقل طور پر حاصل کرنا چاھتے تھے تاکہ سرحدوں کی حفاظت کی ذمہ داری پوری ھوتی رہے۔ حضرت عمر یہ نہیں چاہتے تھے کہ مجاھدین زمیندار بنکر کاشتکاری کے مسائل میں الجھ کر رہ جائیں جس کا نتیجہ یہ ھو گا کہ مملکت اسلامیہ کا دفاع کمزور پڑ جائے گا۔

حضرت عمر جن دور رس نتائج پر غور کر رھے تھے ان تک دوسروں کی نظر نہیں پہنچ پا رھی تھی۔ لوگوں نے حضرت عمر کے اس استدلال کو قبول نہیں کیا بلکہ وہ اسے عام مال غنیمت کے انداز میں تقسیم پر زور دیتے رھے ان کے نزدیک زمین کا معاملہ عام مال غنیمت کی طرح تھا لیکن حضرت عمر نے زرعی زمین اور عام غنائم میں فرق رکھا' امام ابوعبید نے حضرت عمر کے یہ الفاظ نقل کئے ھیں "لا ھذا

عین المال" نہیں (میں زمین تقسیم نہیں کرسکتا) یہی تو اصل مال ھے(۴)۔ حضرت عمر نے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا کہ ان زمینوں کی تقسیم سے تمہارے درمیان پانی وغیرہ کے معاملہ میں جھگڑے پیدا ھو جائیں گے(۵) اس وقت کے حالات میں زمینوں کے جھگڑے امت کی وحدت کیلئے خطرہ ھوسکتے تھے۔ حضرت عمر نے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھنے کے بعد قرآن کریم کی آیت پیش کی جس سے اپنی رائے کے حق میں استدلال کیا۔

والذین جاؤا من بعد ھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا با لایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم(الحشر ۵۹:۱۰)

"اور ان لوگوں کیلئے بھی اس میں حصہ ہے جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے جو دعا کرتے ھیں کہ اے ھمارے رب ھماری اور ھمارے بھائیوں کی جو ھم سے پہلے ایمان لائے مغفرت فرما' اور اھل ایمان کی طرف سے ھمارے دلوں میں کینہ پیدا نہ ھونے دے' اے ھمارے رب تو یقیناً بہت مہربان اور رحم والا ہے"

اس آیت مبارکہ سے حضرت عمر نے یہ استنباط کیا کہ بعد میں آنے والی نسل اور دائرہ اسلام میں نئے آنے والے لوگوں کا بھی مال غنیمت میں حصہ ہے۔ اس استدلال سے حضرت عمر کی رائے کو بہت تقویت ملی اور ایک حتمی دلیل حاصل ھو گئی۔ حضرت عمر نے ایک مرتبہ پھر اپنی رائے اور دلائل کو شوری کے سامنے رکھا اس مرتبہ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے انصار کے دس جلیل القدر صحابہ کو جو قائدانہ صلاحیت رکھتے تھے اور جنکی قیادت لوگوں میں مقبول تھی' بلا بھیجا۔ ان میں سے پانچ کا تعلق اوس کے قبائل سے تھا اور پانچ کا تعلق خزرج کے قبائل سے تھا۔ ان کی آمد پر ایک مرتبہ پھر شوری کا اجلاس ھوا جس میں حضرت عمر نے ایک مختصر مگر جامع انداز میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا' حضرت عمر نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا:۔

"لوگو! میں نے تمھیں صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر جو بار امانت ہے اس میں تمھیں بھی ہاتھ بٹانا چاہیے میں تمہاری طرح کا ایک فرد ھوں' تمھیں آج حق وصداقت کو برقرار رکھنا ہو گا۔ زیر غور مسئلہ پر لوگوں کی رائے میری رائے کے مطابق بھی ہے اور مخالف بھی' لیکن اللہ کی قسم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس سے میری مراد سوائے حق کے کچھ نہیں"

یہ سن کر لوگوں نے کہا۔ اے امیر المومنین آپ فرمایئے' ھم آپکی بات غور سے سنیں گے اس پر

حضرت عمر نے اس مسئلہ کی وضاحت کی' اسکے مختلف معاشی' معاشرتی اور دفاعی پہلوؤں کا جائزہ لیا اور فرمایا کہ میں چاھتا ہوں کہ ان زمینوں پر قدیم آباد کاروں کو برقرار رکھیں تاکہ یہ لوگ ان زمینوں کی آبادکاری کا کام جاری رکھیں اور ان پر خراج ادا کریں۔ ساتھ ہی یہ لوگ جزیہ بھی ادا کریں گے اس طرح جزیہ اور خراج کی رقم سے بیت المال کی مستقل آمدنی کی صورت پیدا ھو جائے گی جس سے حکومت نہ صرف مملکت کی پھیلی ھوئی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے قابل ھو گی بلکہ آنے والی نسلوں اور دامن اسلام میں نئے آنے والے لوگوں کی کفالت بھی کر سکے گی۔

حضرت عمر کے اخلاص اور احساس امانت کو سبھی لوگوں نے محسوس کیا ارکان شوری بھی اس احساس ذمہ داری کے ساتھ مشاورت میں شریک تھے۔ اس طویل غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد صحابہ کرام نے حضرت عمر کی رائے کو قبول کیا۔ امام ابو یوسف کے الفاظ میں اھل شوری نے اتفاق کرتے ھوئے کہا "اے عمر! آپکی رائے بالکل درست ہے آپ نے جو کچھ کہا اور جو کچھ سوچا وہ بالکل صحیح ہے۔ اس طرح عہد خلافت راشدہ کا ایک مشکل ترین مسئلہ شوری کے ذریعہ حل ھوا اور پھر اس کے مطابق عمل درآمد بھی ھوا(٦)

اس ساری بحث' دلائل اور اسلوب استدلال پر غور کریں تو چھ نکات واضح ھوتے ھیں مثلا یہ کہ'

i۔ ملی واجتماعی امور میں شورائی اجتہاد اھمیت رکھتا ہے۔

ii۔ اجتماعی مفادات کو ترجیح حاصل ھونی چاہیے۔

iii۔ مملکت کے دفاع اور سرحدوں کی حفاظت کے امور کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے۔

iv۔ نئے پیدا ھونے والے احوال وظروف کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

v۔ اھل شوری کے دلائل اور انکی بات کو صبر وتحمل کے ساتھ سننا اور انہیں دلائل کی بنیاد پر قائل کرنا۔

vi۔ جس حد تک ممکن ھو اس بات کی کوشش کرنا کہ زیر بحث مسئلہ پر سب کا اتفاق ھو جائے اگر مکمل اتفاق ھو جائے تو بہت اچھا ہے لیکن مکمل اتفاق نہ ھو سکنے کی صورت میں یہ کوشش ھونی چاہیے کہ لوگوں کی واضح اکثریت ضرور اس رائے سے اتفاق کر لے۔

یہاں ھم نے عہد خلافت راشدہ سے شوری کے ذریعہ مسائل کو حل کرنے کی صرف دو مثالیں بیان کی ھیں' لیکن سوال یہ پیدا ھوتا کہ شورائی نظم کس قسم کے معاشرہ میں کامیاب ھوتا ہے یا باالفاظ دیگر کس قسم کے معاشرہ میں اس کے مفید نتائج برآمد ھوتے ہیں۔ بعض لوگ موجودہ پارلیمانی

نظام کو بھی شوری کا ایک طریقہ سمجھتے ھیں' جہاں فیصلے باھمی مشورے اور پورے غور و فکر کے بعد طے ھونے چاہیں' لیکن ھمارے ملک میں اس ادارہ نے وہ یکجہتی اور استحکام پیدا نہیں کیا جو شورائی نظام کی وجہ سے پیدا ھونا چاہیے تھا' بلکہ اس کے برعکس ھمارے یہاں مروجہ نظام نے بہت سی خرابیوں کو جنم دیا ہے۔ مثلا اختیارات کا ناجائز استعمال' باھمی مشوروں سے ملک وملت کے مسائل حل کرنے کی بجائے گینگ یا جتھہ سازی کرکے بلیک میل کرنا' ذاتی مفادات کو ملی مفادات پر ترجیح دینا اقتدار کے حصول کی خاطر ملکی سلامتی کو بھی خطرہ میں ڈالنا وغیرہ۔ ھمارے ملک میں پارلیمنٹ تو موجود ہے جہاں قانون سازی اور ملی امور کی نگرانی کا کام باھمی مشاورت سے ھونا چاھیے اور جس کے نتیجہ میں ملک میں خیر اور بھلائی نظر آنی چاھیے' امن واخوت قائم ھونا چاھیے' لیکن اس کے برعکس ھر شعبہ زندگی میں برائی سرائت کررھی ہے' جن لوگوں کو خیر کا کام کرنا چاہیے تھا اور جنہیں ملک وملت کی فلاح وبہبود اور اخلاق وایمان کیلئے کام کرنا چاھیے تھا ان کی باھمی کشمکش اور اقتدار کی جنگ کی وجہ سے ملک دو ٹکڑے ھوگیا' نسل' زبان اور علاقائی بنیادوں پر فسادات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے' رشوت ستانی' چور بازاری اور بددیانتی عروج کو پہنچی ھوئی ہے۔ ان کے سدباب کیلئے کوئی سنجیدہ اور منظم جدوجہد نظر نہیں آتی۔ غرض ہر شعبہ زندگی انحطاط اور تنزل کا شکار ہے۔

اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ھم نے ان بنیادی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی جو ایک اچھے معاشرہ کے قیام کیلئے ضروری ھیں ایسا معاشرہ جس میں سیاسی و اجتماعی ادارے اپنا موثر' مفید اور تعمیری کردار ادا کرتے ھیں' اور جن کی وجہ سے معاشرہ کے تمام افراد میں باھمی اخوت اور یکجہتی پیدا ھوتی ہے۔ لہذا یہ مناسب ھو گا اگر یہاں ان بنیادی عناصر کی نشان دھی کر دی جائے جن کے بغیر ایک مستحکم اور متمدن معاشرہ کا تصور ممکن نہیں۔

ایک مہذب اور اچھے معاشرہ کے قیام کیلئے تین بنیادی عناصر کا ھونا ضروری ہے جب یہ تین عناصر موجود ھوں گے تو پھر سیاسی اور معاشرتی ادارے مثبت اور تعمیری کردار ادا کر سکیں گے۔ سب سے پہلی چیز ذھنی اور فکری اصلاح ہے فکری اصلاح کیلئے اسلامی عقائد سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ھم نے عقیدہ کی تعلیم وتربیت کا کام بالکل چھوڑا ھوا ہے۔ ھم عقائد کو بتاتے تو ھیں لیکن ان کی تعلیم نہیں دیتے' نہ ھی ان سے تزکیہ نفس کا کام لیتے ھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تمام تیئیس سالہ عرصہ میں عقائد کی تربیت اس طرح فرمائی کہ لوگوں کے عقائد یا فکر و عمل میں پوری طرح ھم آھنگی پیدا ھوگئی تھی فکر و عمل کی ہم آہنگی سے ہی کامل و مستحکم شخصیت وجود میں آتی ہے عقیدہ جب دل ودماغ میں راسخ ھوتا ہے تو وہی عمل صالح کا محرک ھوتا ہے' جب یقین محکم

ہوتا ہے تو عملی لغزش کا احتمال بہت کم اور محدود ہو جاتا ہے۔

دوسرا بنیادی عنصر اخلاقی اقدار ہیں جن پر تہذیب وتمدن کا تمام تر دارومدار ہوتا ہے اور جس کے بغیر کوئی معاشرہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تعلیمات میں اخلاقی امور حقیقتاً ایمان ہی کا حصہ ہیں انہیں ایمان سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ کے ساتھ جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ حدیث نبوی میں آپ کی بعثت کا مقصد ہی اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تکمیل بتایا گیا ہے۔ **"انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق"**

تیسری بنیادی چیز عقیدہ وفکر کے مطابق عملی جدوجہد ہے بنیادی عقائد انسان کے مقصد زندگی کا تعین کرتے ہیں' اسلامی عقائد خاص طور پر واضح نصب العین اور مقصد زندگی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے سعی مسلسل کا ہونا ضروری ہے' زندہ معاشرہ کیلئے یقین محکم کے ساتھ عمل پیہم لازمی ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتعمیر میں ان عناصر کا ہمیشہ بنیادی کردار رہا ہے تاریخ گواہ ہے کہ جب تک امت مسلمہ عقیدہ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتی رہی اور زندگی کے باہمی معاملات میں مکارم اخلاق کو بالا دستی حاصل رہی اور جب تک مسلم امہ اپنے واضح نصب العین کے مطابق عملی جہاد میں مصروف رہی اس وقت تک مسلم معاشرہ بہت محفوظ رہا اور اقوام عالم میں اپنا تعمیری وتخلیقی کردار کرتا رہا ہے لیکن جب کبھی عقیدہ میں کمزوری پیدا ہوئی تو مسلم معاشرہ بھی فکری پراگندگی کا شکار ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ اپنے مقاصد کو بھی بھلا بیٹھا۔ اور جب کبھی معاشرہ میں اخلاقی انحطاط پیدا ہوتا ہے تو معاشرہ بھی زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ جو معاشرہ اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور وہ زندہ اقوام کی صف میں جگہ نہیں پاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے ہمیشہ عقیدہ واخلاق کی تربیت اور تعلیم کا اہتمام کیا۔ ماں کی گود' جو مسلم معاشرہ میں بہت موثر مکتب رہا ہے' سے لے کر تعلیم وتعلم کے اعلیٰ اداروں تک ہر جگہ عقیدہ واخلاق کی تربیت کا انتظام ہوتا تھا۔ عہد رسالت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ قرآن کریم نے اسے فرائض نبوت میں شامل کیا ہے کہ عقائد لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ کئے جائیں ان کے دلوں کا تزکیہ کیا جائے اور فضائل اخلاق سے آراستہ کیا جائے' تاکہ اس قسم کے تربیت یافتہ لوگ اجتماعی طور پر ملی مقاصد کیلئے مشترکہ جدوجہد میں شریک ہوں۔

اسی نہج پر خلفاء راشدین کے دور میں بلکہ بعد میں بھی ایک طویل عرصہ تک اسلامی معاشرہ میں کام ہوتا رہا ہے اہل علم ودانش اور ارباب حل وعقد کی یہ کوششیں رہی کہ یہ تینوں عناصر معاشرہ

میں موجود رھیں۔ ھمارا تعلیمی نظام' ھماری درس گاھیں' مساجد وخانقاھیں اجتماعی ومعاشرتی ادارے غرض ھر جگہ عقیدہ واخلاق کی تربیت تعلیم اور کردار سازی کا کام ھوتا رہا ہے۔ خاندان کے بزرگ افراد ھوں یا محلے کے بڑے' نیک اور صاحب کردارلوگ سب ہی اپنی اپنی جگہ تربیت وکردار سازی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اساتذہ کرام مکتب ومدرسہ کی چار دیواری تک محدود نہیں تھے۔ وہ سب کیلئے معزز و محترم تھے وہ جہاں کہیں بھی ھوتے شخصیت وکردار کی تعمیر کا کام انجام دیتے تھے۔ درس گاھوں سے باھر بھی ان کا دائرہ بہت وسیع ھوتا تھا' علم وعمل کی روشنی کا دائرہ بھی انکی علمی اور فکری وسعت کی طرح پھیلا ھوا ھوتا تھا۔ معاشرہ میں سیاسی قیادت اور اختیارات رکھنے والے حضرات بھی تربیت وکردار سازی کے اس عمل میں شریک رہتے تھے۔ یہ لوگ اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کی تعلیم وتربیت اپنے انداز میں کرتے تھے۔ اخلاقی تربیت کے ساتھ ضروری احکام اور قوانین کی تعلیم کا بھی ان کے ھاں اہتمام ھوتا تھا' ارباب حل وعقد کی کوشش ھوتی تھی کہ انکی زیر قیادت یا ان کے زیر انتظام افراد نہ صرف یہ کہ ضروری احکام وقوانین سے آگاہ ھوں بلکہ انکی عملی زندگی میں بھی قانون کی پابندی اور اخلاقی اقدار کی جھلک نمایاں نظر آئے۔

یہاں کچھ تاریخی مثالیں پیش کیجاتی ھیں اس نظریہ کی تائید میں کہ شوری بطور ادارہ اپنا تعمیری کردار ایسے معاشرہ میں موثر طور پر ادا کرتا ہے جہاں لوگوں کی فکری واخلاقی تعلیم و تربیت کا جامع اور موثر انتظام موجود ھو اور تربیت وتزکیہ کا نظام اس قدر مستحکم ھو کہ سیاسی قیادت اور انتظامی اختیارات رکھنے والے افراد بھی اس سے الگ نہ ھو سکیں بلکہ تربیت واصلاح کے کام میں اپنا کردار ادا کرتے ھوں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ انصار کے نمایاں لوگوں میں سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں کا رقیب مقرر فرمایا تھا' حضرت عبداللہ بن رواحہ لوگوں کے اجتماعی امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی تربیتی مجالس تاریخ نگاروں کے ھاں مجالس الایمان کے نام سے مشہور ھیں۔ انکی ذاتی دلچسپی اور انداز تربیت کا پتہ حضرت ابودرداء کی روایت سے ھوتا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ھیں کہ عبداللہ بن رواحہ کے دلکش انداز تربیت کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ جب ملتے تو بہت شفقت ومحبت سے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھتے اور فرماتے میرے عزیز عمیر "تعال نومن بربنا ساعہ" آو تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنے رب پر ایمان کو تازہ کرلیں۔(۷)

حضرت اسعد بن زرارہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیب مقرر فرمایا تھا انصار میں

انکی قیادت مسلم تھی۔ مشہور موڑخ بلا ذری لکھتے ھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نقیب النقباء مقرر کیا تھا اسعد بن زرارہ بھی لوگوں کی تعلیم و تربیت میں پیش پیش رھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔(۸)

حضرت معصب بن عمیر کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا انہوں نے جس طرح موثر انداز میں عقیدہ واخلاق کی تعلیم وتربیت کی اس کی وجہ سے ایک سال سے بھی کم عرصہ میں مدینہ منورہ کی تاریخ کا دھارا بدل گیا۔ مدینہ جو اس سے قبل جنگ وجدل اور قتل وغارت گری کا مرکز تھا جلد ھی ایک مہذب اور متمدن قوم کا گہوارہ بن گیا۔ خلفاء راشدین کی زندگی عقیدہ واخلاق کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہترین نمونہ ہے ان کے علاوہ حضرت عبیدۃ بن الجراح، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسی الاشعری حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمروبن العاص اور بہت سے دیگر صحابہ کرام جو سیاسی قیادت یا انتظامی اختیارات کے مالک تھے ھمیشہ ان بنیادی عناصر کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب منصب خلافت سنبھالا تو خلافت کے اس اھم فریضہ پر خاص توجہ دی ان کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اسلام میں خلیفہ وقت صرف سیاسی وانتظامی امور ہی کا نگران نہیں بلکہ عوام کی تعلیم وتربیت کا نگہبان بھی ہوتا ہے اخلاق وکردار اور عملی زندگی کیلئے انہوں نے خود کو ایک مثالی نمونہ بنا کر پیش کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس بات کا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے کہ معاشرہ میں اسلامی روح بیدار رہے لوگوں کا اخلاقی معیار بلند رہے اور عملی زندگی اور جہاد میں کسی طرح کا ضعف پیدا نہ ھونے پائے۔ اس کام کیلئے انہوں نے اپنے عمال حکومت، فوجی افسروں اور ارباب اختیار کو ھدایت فرمائی کہ وہ شریعت کی خود اتباع کریں، اللہ تعالی کا تقوی اختیار کریں اور اپنے اپنے علاقوں میں دعوت کا کام کرتے رھیں (۹) ضحاک بن عبدالرحمان کو جو ایک سرکاری عہدہ دار تھے ایک طویل خط لکھا جس میں انہیں ھدایت فرمائی کہ وہ لوگوں میں دین اسلام سے وابستگی کو مستحکم کریں، اخلاق واعمال کو قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھالیں اور اگر کوئی غلط رسم پیدا ھوگی ھو تو اسے ختم کر کے لوگوں سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرائیں (۱۰)۔

ایک فوجی افسر منصور بن غالب کے نام ایک تحریر اس وقت بھیجی جب وہ جہاد کیلئے روانہ ھونے والے تھے اس خط میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایمان، اخلاق اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت اچھے پیرایہ میں ھدایت فرمائی۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔ "ھر حال میں تقوی اختیار کرو، کیونکہ اللہ کا تقوی بہترین متاع، موثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے۔ اپنے اور اپنے

ساتھیوں کیلئے دشمن سے زیادہ اللہ تعالی کی معصیت سے ڈرو۔ کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کیلئے خطرناک ہے۔ ۔ ۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کرو' اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالی کی جانب سے امت پر کچھ محافظ مقرر کئے گئے ہیں جو تمہارے سفر وحضر کے افعال کو جانتے ہیں پس ان سے شرم کرو اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو' اور ان کو اللہ تعالی کی نا فرمانی کر کے ایذا نہ پہنچاو۔ خصوصا ایسی حالت میں کہ تمہارا دعوی ہے کہ تم اللہ تعالی کی راہ میں نکلے ہو"(۱۱)

نورالدین زنگی صرف اقتدار واختیار کے مالک نہ تھے بلکہ عدل وانصاف اور اخلاق وعمل کا پیکر بھی تھے۔ ابن خلکان کے الفاظ میں زنگی کی شخصیت یہ تھی' وکان ملکا عادلا زاھدا ورعا متمسکا بالشریعہ مائلا الی الخیر' مجاھدا فی سبیل اللہ تعالی کثیر الصدقات "وہ ایک منصف مزاج زاھد وعابد' متقی اور متبع شریعت حکمران تھے' خیر کی طرف ان کا میلان رہتا تھا' کثرت سے صدقات خیرات کرتے تھے اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کا خاص اہتمام کرتے تھے۔(۱۲)

ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ نور الدین زنگی اپنے کردار وعمل کے لحاظ سے خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر وعمر' عثمان وعلی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد سب سے بہتر حکمران تھے۔(۱۳)

صلاح الدین ایوبی نے بھی سیاست وقیادت کی اس روح کو برقرار رکھا۔ انہیں اصلاح معاشرہ اور معاشرہ میں اخلاقی ودینی روح کو زندہ وتابندہ رکھنے کی بہت فکر تھی اس کیلئے انہوں نے خود اپنے آپکو بطور نمونہ پیش کیا' مؤرخین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ زھد وتقوی' اعمال اور نظم وضبط میں اپنے رفقاء کیلئے ایک نمونہ تھے۔ (۱۴)

ان مثالوں سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلم امہ اس وقت تک کامیابی وکامرانی اور ترقی وعروج کی راہ پر گامزن رہی جب تک مسلم معاشرہ میں زیر بحث تین عناصر پوری طرح اجاگر رہے' اور حکمران' قائدین اور علماء کرام نے اپنی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ سوسائٹی کو ان بنیادوں پر قائم رکھا۔

ادارے معاشرہ کا حصہ ہوتے ہیں اور معاشرہ افراد کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے۔ افراد اچھے ہوں گے تو معاشرہ بھی اچھا ہو گا اور ان کے نظام میں چلنے والے سیاسی' معاشی ومعاشرتی ادارے بھی صحیح کام کریں گے۔ ادارے افراد کے ہاتھوں بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اگر ان کو چلانے والے افراد صاحب کردار ہوں' ان کے سامنے واضح نصب العین ہو اور ان میں مضبوط ومؤثر جذبہ عمل کار فرما ہو تو یقیناً ادارے بھی صحیح جہت میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں گے۔ شوری بھی ہمارے معاشرہ کا ایک ادارہ ہے اسکی کارکردگی میں معاشرتی کردار کی جھلک ضرور نظر آئے گی اگر معاشرہ کی تربیت

مذکورہ تین اصولوں پر نہیں ہوئی تو معاشرہ خرابی وپراگندگی کا شکار ہو جائے گا۔ اور اگر شوری جیسا اہم ادارہ بد کردار وبد عمل لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے تو نتائج تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ ایک اچھا ادارہ بھی بدکردار افراد کے ہاتھوں اچھے نتائج نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ہمارے اہل فکر ونظر اور صاحب درد افراد خواہ علماء کرام میں سے ہوں یا ارباب سیاست سے انہیں چاہیے کہ وہ ایسے معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کیلئے جدوجہد کریں جس میں شوری اور دیگر سیاسی واجتماعی ادارے ملک وملت کی تعمیر وترقی کیلئے اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔ **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم** ۔

مصادر و حواشی

۱۔ اس موضوع پر حال ھی میں المجمع الملکی لبحوث الحضارہ، اردن نے الشوری فی الاسلام کے نام سے ایک کتاب تین جلدوں میں شائع کی ھے جس میں عالم اسلام کے نامور اھل علم نے شوری کے مختلف پہلوؤں کو بہت اچھے پیرایہ میں اجاگر کیا ہے۔ عدنان النحوی کی ملامح الشوری (دارالاصلاح، الدمام) عبدالرحمن عبدالخالق کی الشوری فی ظل نظام الحکم الاسلامی، قحطان عبدالرحمن الدوری کی الشوری بین النظریہ والتطبیق اور حسن ھویدی کی الشوری فی الاسلام بھی اچھی کتابیں ہیں۔

۲۔ ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کتاب المصاحف (المطبعہ الرحمانیہ، مصر، ۱۹۳۶۔ ص ۶۔۷۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن (سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۷) ج ۱ ص ۵۷

۳۔ یحیی بن آدم، کتاب الخراج (مکتبہ علمیہ، لاہور ۱۳۹۰ھ) ص ۱۶؛ ابو یوسف، کتاب الخراج (مطبعہ السلفیہ القاھرہ ۱۳۸۲ ص ۵۰۔ ۵۱)

۴۔ ابو عبید، کتاب الاموال (القاھرہ ۱۹۸۱، ص ۶۰)

۵۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۹، البلاذری، فتوح البلدان (بیروت ۱۹۷۸) ص ۲۶۸

۶۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۵۷۔۶۳ ابو یوسف، کتاب الخراج (المطبعہ السلفیہ، بولاق ۱۳۰۲ھ ص ۲۳۔۲۷۔ النصر، عبدالرحیم، "الشوری فی شوون البیت والادارہ" در کتاب الشوری فی الاسلام ج ۲ ص ۷۰۶۔۷۱۰، شوری کے دلائل کو تقی امینی نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، دیکھیے اسلام کا زرعی نظام (احسن اکیڈمی کراچی) ص ۴۳۔۴۹۔

۷۔ ابوالحسن علی الندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۱ ص ۵۱

۸۔ حوالہ سابقہ ص ۵۴۔۶۰

۹۔ ابو الحسن علی الندوی، تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۵۱

۱۰۔ حوالہ سابقہ ص ۵۴۔۶۰

۱۱۔ حوالہ سابقہ ص ۶۰۔۶۸

۱۲۔ حوالہ سابقہ ص ۳۳۵

۱۳۔ ابن الاثیر، الکامل، ج ۱۱ ص ۱۹۴

۱۴۔ ابوالحسن علی الندوی، تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۴، ۳۴۴